⊙ ڈاکٹر شگفتہ فردوس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیال کوٹ

⊙⊙ ڈاکٹر انیلا سلیم

اسسٹنٹ پروفیسر، انسٹی ٹیوٹ آف اردو لینگوئج اینڈ لٹریچر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

# رپورتاژ کا فن اور ''شمالی امریکہ میں اُردو رپورتاژ'': اجمالی جائزہ

**Abstract**:

The subcontinent has played a vital role in the development of innumerable varieties of Urdu language and literature; moreover it has also helped to establish a foundation of Urdu report writing. Ghosia Sultana Noori, is one of the eminent literary scholar from Chicago, America who shed light on famous literary scholars residing in North America and worked hard to enlighten us with their daily routine in a mesmerizing manner in her publication" shumali Amrika mein Urdu Reportage". This research has explored the tradition and different genres of report writing and the efforts made to promote report writing. It has also included the importance of report writing in the era of science and technology.

**Keywords**:

Urdu Report, Scholar, Tradition, Report, North America

انیسویں صدی اردو زبان وادب کے فروغ میں نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔اس دور میں نہ صرف افسانوی اور غیر افسانوی ادب تخلیق کیا گیا، بلکہ فورٹ ولیم کالج اور سرسید کی علی گڑھ تحریک نے اہم کردار ادا کرتے ہوئے اردو کے نثری سرمائے میں بے حد اضافہ کیا۔ یہ ان مشاہیر کی علمی وادبی کاوشوں کا ثمر تھا کہ دیگر زبانوں کے ادبی سفرمائے سے استفادہ کرتے ہوئے اردو میں کئی نثری اصناف کا اضافہ ہوا جن میں سے ایک رپورتاژ نگاری بھی ہے۔اردو میں یہ نثری صنف انگریزی ادب کے وسیلے سے شامل ہوئی۔ترقی پسند تحریک نے اردو سے روشناس کرایا۔رپورتاژ لفظ (Reportage) لاطینی اور فرانسیسی زبانوں سے اخذ کیا گیا ہے جو انگریزی میں (Report) رپورٹ کے ہم معنی ہے۔رپورٹ سے مراد عموماً کسی پروگرام کی روداد بیان کرنا یا کسی واقعہ کو دلچسپ انداز میں پیش کرنا ہے۔علی سردار جعفری نے "خزاں کے پھول"

کے پیش لفظ میں اس صنف ادب کو صحافت اور افسانہ کی درمیانی کڑی قرار دیا ہے۔ اس صنف کو گزرے ہوئے واقعات کی کہانی یا رپورٹ بھی سمجھا جاتا ہے جیسے کہ ڈاکٹر قمر رئیس نے اس صنف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''رپورتاژ کو عام طور ہر رپورٹ اور روزنامچہ کے قبیل کی صنف کہا جاتا ہے یعنی بیتے ہوئے یا گزرے ہوئے واقعات کی سرگذشت۔''(۱)

اکیسویں صدی میں دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے مہجری ادیبوں نے اپنی تخلیقی نگارشات کے ذریعے اردو زبان وادب کی وسعت میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ یہ ادیب اپنے وطن سے دور ہو کر بھی اپنی تہذیب وثقافت سے بیگانہ نہیں بلکہ اس کی بقا کے لیے سرگرداں ہیں۔ اردو میں رپورتاژ نگاری کی روایت نے دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے ان ادیبوں کو بھی متاثر کیا اور انھوں نے اس صنف کی ترویج میں اپنا اپنا کردار ادا کیا اور وہ اپنی زبان کے تحفظ اور ادبی سرگرمیوں کی روداد بیان کرنے کے لیے رپورتاژ بھی لکھے۔ اُنھی مہجری ادیبوں میں شکاگو سے تعلق رکھنے والی ایک اہم شخصیت غوثیہ سلطانہ نوری بھی ہیں جن کی ادب دوستی کئی دہائیوں پر محیط ہے۔ انھوں نے ۱۹۷۳ء میں جب حیدرآباد (انڈیا) کو خیرباد کہہ کر شکاگو میں اپنی ہم سفر جناب غیاث الدین صاحب کے ہمراہ سکونت اختیار کی تو اردو زبان سے اپنی اس والہانہ محبت کے اظہار کے لیے ''انجمن علم وادب اور ساؤتھ ایشین کلچرل سوسائٹی، شکاگو'' کی بنیاد بھی رکھی، اپنے اس پلیٹ فارم سے انھوں نے برصغیر پاک وہند کی عظیم ادبی شخصیات کے ساتھ متعدد تقریبات منعقد کیں اور انھیں امریکہ کی ادبی دنیا سے متعارف کرایا، اُن کے ادبی سفر کا آغاز نثری تصانیف ''سلمان اریب: فن اور شخصیت: اور شمالی امریکہ کی ادبی سرگرمیاں'' سے ہوا۔ بعدازاں انھوں نے نوری کے تخلص کے ساتھ شاعری بھی کی۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''رقصِ رواں'' کے عنوان سے مارچ ۲۰۱۹ء میں جب کہ حمد ونعت اور منقبت وسلام پر مشتمل مجموعہ ''آئینہ جمال'' کے عنوان سے جولائی ۲۰۱۹ء شائع ہوا۔ ان کو اس بات کا اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے شمالی امریکہ میں اردو کے فروغ کے لیے متعدد تقریبات منعقد کیں۔ شمالی امریکہ میں رپورتاژ نگاری کی روایت اور اہم رپورتاژ نگاروں کو متعارف کرانے کی اس روایت کا آغاز مئی ۲۰۱۴ء میں ''شمالی امریکہ میں اردو رپورتاژ'' کے عنوان سے ایس جی میموریل پبلشرز یو۔ایس۔اے سے ہوا۔ اُن کی اس کتاب کو خوب پذیرائی ملی، شکاگو کے ایک اہم ادیب ڈاکٹر منیر الزماں منیر نے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے حوالے سے کتاب کے سرورق پر لکھا ہے کہ ''شمالی امریکہ میں اُردو نہ صرف اُن کی اُردو دوستی سے عبارت ہے، بلکہ یہاں کی تخلیقی نثر کا ایک خوبصورت نگار خانہ بھی ہے۔'' گیان چند جین نے رپورتاژ کو تخلیقی ادب سے جوڑتے ہوئے اس میں ادبی چاشنی اور شخصی رنگ کو لازمی قرار دیا ہے اور اس کی ہیت میں وقت کا تعین کیا ہے، یعنی:

> ''کسی تقریب کی کاروائی کا قرار واقعی غیر ادبی، غیر جذباتی، بیان روئداد کہلاتا ہے۔ ایک انشائیہ نگار اسے بیان کرے تو ایک افسانوی، شخصی، ادبی رنگ سے بیان کرے گا۔ یہ رپورتاژ ہے جو تخلیقی ادب پارہ ہوتا ہے۔ یہ کسی تقریب، تقریب سے متعلق سفر، کسی واقعے کے بیان پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں دو چار آٹھ دس دن سے زیادہ کا بیان نہیں ہوتا۔''(۲)

رپورتاژ نگار اپنی تحریر میں اپنے عہد کی حقیقی تصویر پیش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے عہد کی دستاویز بھی کہا

جاتا ہے۔اس صنف کی ہیت اورفن سے متعلق پروفیسر مجید بیدار نے پانچ لازمی اجزا کا ذکر کیا ہے جن کے تحت کسی محفل کا آنکھوں دیکھا حال، سرگرمیوں کا احاطہ، منظری رویہ، ہلکے پھلکے طنزیہ پیکر کا سہارا لیا جاتا ہے جس میں جزئیات نگاری کی شمولیت ضروری ہے۔کسی بھی رپورتاژ میں پیشکش کا حسن، واقعاتی عمل، تفصیل وتعبیر، زبان وبیان کی تخلیقی فضا، صحافتی عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔جس میں خبریہ حصہ کا دخل اور روداد کی صلاحیت کارفرما ہوتو اسے ''رپورتاژ'' کے فن کی خوبی قرار دیا جائے گا۔

افسانہ اورناول کی طرح رپورتاژ نگاری کے اجزائے ترکیبی کی باضابطہ تدوین نہیں کی گئی۔اردونثر کی کتابوں میں بالخصوص رپورتاژ نگاری کے اصول، ہیت اوراجزاء پرکم لکھا گیا۔ارشاداحمد خاں رپورتاژ کو رپورٹ، روزنامچہ اور دیگرنثری اصناف سے ممتاز اور ممیّز کرنے کے لیے اس کے متن میں اسلوب، ہیئت، صحافت، رومانیت، افسانویت، واقعیت، قوت تحریر، اقتباسی عمل، خبریہ انداز کو لازمی قرار دیا ہے۔رپورتاژ کی جہاں دستاویزی اہمیت مسلم ہے وہیں اس کی ہیت کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے ارشاداحمد خاں اپنے مضمون ''اردو میں رپورتاژ نگاری کا فنی جائزہ'' میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ:

> ''رپورتاژ کی پہچان اس کی اپنی ہیئت سے زیادہ اس کے اظہار میں پوشیدہ ہے۔اس صنف میں کوئی بھی گزرا ہوا واقعہ اظہار کی تہوں تک پہنچتا اور تخلیق کار کے اندر چھپے ہوئے رومانوی احساس کو جگاتا ہے اور پھر مصورانہ چابکدستی کے ساتھ ایسی تخلیق کو اجاگر کرتا ہے جو واقعات کی لپیٹ میں مرقع کاری کا درجہ رکھتی ہے۔رپورتاژ کو ایک غیر افسانوی صنف کا درجہ حاصل ہے جس میں افسانویت اور کہانی پن کا وجود نہیں ہوتا۔ بلکہ گذرے ہوئے واقعات کی دلچسپ انداز میں تصویر کشی ہوتی ہے۔''(۳)

اکیسویں صدی میں کرونائی صورتحال نے اس صنف کی اہمیت میں بہت اضافہ کیا ہے۔اس کے چند بنیادی لوازم ہیں، جن کا ذکر درج ذیل ہے۔

- اس صنف میں لکھنے والا کسی اہم واقعہ یا حالات، کسی سفر کا حال، میلے، ٹھیلے، حادثہ یا کسی جنگ کے محاذ کی رپورٹ بیان کرتا ہے۔
- رپورتاژ صرف چشم دید واقعات پرلکھا جاسکتا ہے، سنے سنانے واقعات پرلکھی گئی کوئی تخلیق، افسانہ، ناول یا ڈرامہ تو ہوسکتی ہے، رپورتاژ نہیں۔
- اس میں دو چار آٹھ دس دن سے زیادہ کا بیان نہیں ہوتا۔
- رپورتاژ کے فن کی ایک امتیازی صفت یہ بھی ہے کہ یہ ہمیشہ بیانیہ طرزتحریر کا حامل ہوتا ہے
- اسلوب رپورتاژ کی جان ہے جس طرح افسانہ اور ناول میں اسلوب کا کردار ہوتا ہے اسی طرح رپورتاژ میں بھی اسلوب کو برتا جائے ورنہ رپورتاژ اخبار کی خبر کی طرح اطلاع کا کام کرے گی اوراس کی ادبی اہمیت ختم ہو جائے گی۔رپورتاژ میں فن کار اپنے فنکاری سے روداد کو دلکش دلچسپ بنائے اور رپورتاژ جامع ہونا چاہئے۔

- رپوتاژ کا تعلق ماضی اور مستقبل کے بجائے حال سے ہوتا ہے۔
- مصنّف چشم دید واقعات و مشاہدات کو اپنی داخلی کیفیات کیساتھ شامل کر کے پیش کرتا ہے۔اس کے بیان میں سچائی، خلوص اور اندرونی جذبہ پایا جاتا ہے بلکہ وہ ان واقعات کی جزئیات وتفصیلات میں اپنے نقط نظر اور تخیل کی آمیزش بھی کرتا ہے یعنی کسی حادثے، مقام اور واقعہ کو دیکھ کر جو مصنف کے دل و دماغ پر گزرتی ہے اسے بعینہ رقم کر دیتا ہے۔اس میں خارجیت اور داخلیت کا ایک حسین امتزاج ہوتا ہے وہ ایک دوسرے سے شیر وشکر ہوتی ہیں اور دونوں ہی اس صنف کے معیار کا تعین کرنیکی ذمہ دار ہوتی ہیں، جیسا کہ ممتاز شیریں نے بھی داخلیت وخارجیت کے ارتباط سے تخلیق ہونے والے رپورتاژ کو زیادہ اہمیت دی ہے۔یعنی اگر کسی پروگرام یا محفل کی رپورٹ میں ادبی اسلوب، تخیل کی آمیزش اور معروضی حقائق کے ساتھ ساتھ باطنی لمس بھی عطا کیا جائے تو یہ ادبی صنف کہلاتی ہے۔
- رپورتاژ میں ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ زندگی کے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔اس میں واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری، جذبات نگاری اور جزئیات نگاری کے اچھے نمونے پیش کئے جاسکتے ہیں۔
- رپورتاژ میں مفروضوں کا سہارا لینے سے گریز کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں حقائق پیش منظر میں رہتے ہوئے بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
- یہ اپنے عہد کی دستاویز کہلاتا ہے۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے اردو میں رپورتاژ نگاری کی روایت کو اردو شعرا اور ادبا کی ان ابتدائی مساعی میں تلاش کیا جنہوں نے اپنے دور کی عکاسی کرتے ہوئے اہم حالات وواقعات کو اپنی آپ بیتیوں یا خطوط میں بیان کیا، جب کے اس کا باقاعدہ آغاز ترقی پسند ادیبوں نے اپنی تحریک، کانفرنسوں اور اجلاسوں کی رُوداد کو ادبی چاشنی کے ساتھ تحریر کیا جس سے اردو ادب ایک نئی نثری صنف سے روشناس ہوا۔یعنی:

> ’’ایک آزاد اور مستقل نثری صنف کی حیثیت سے اردو میں رپورتاژ کا وجود ترقی پسند تحریک کی دین ہے۔اس تحریک کے زیر سایہ اس نے آغاز وارتقا کے مرحلے طے کر کیا پنے علیحدہ وجود کو منوایا اور جدید نثری ادب میں اپنی ضرورت واہمیت کا سکہ جمایا۔‘‘(۴)

ہفتہ وار اخبار ’’نظام‘‘ کی ادارت قدوس صہبائی نے کی جس میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں کی روداد کو حمید اختر نے تحریر کیا۔اس رپورٹ کو ہی اردو ادب میں رپورتاژ نگاری کا آغاز سمجھا گیا، اس حوالے سے سجاد ظہیر نے اپنی کتاب ’’روشنائی‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’حمید اختر ایک نئی ادبی صنف کے موجد سمجھے جاسکتے ہیں۔ان کی یہ ہفتہ واری سرگزشت در اصل ایک دلچسپ رپورتاژ تھی‘‘۔سجاد ظہیر نے ۱۹۴۰ء میں ’’یادیں‘‘ کے عنوان سے رپورتاژ شائع کرایا جسے اردو کا پہلا باقاعدہ رپورتاژ کہا جاتا ہے۔اور اس طرح سجاد ظہیر کو اردو ادب میں اس صنف کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔بعدازاں ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس جو اکتوبر ۱۹۴۵ء میں حیدرآباد میں منعقد ہوئی، اس کی رُوداد کو کرشن چندر نے ’’پودے‘‘ کے عنوان سے شائع کیا، جسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔کرشن چندنے ’’صبح ہوتی ہے‘‘ کے موضوع پر بھی ایک رپورتاژ لکھا۔بھوپال

میں منعقد ہونے والی ترقی پسندوں کی کانفرنس کے حوالے سے بھی دو رپورتاژ لکھی گئیں جن میں عصمت چغتائی کی ''بمبئی سے بھوپال تک'' اور صفیہ اختر کی ''ایک ہنگامہ'' کے عنوان سے شامل ہے۔ اسی طرح ۱۹۴۹ء میں احمد آباد میں منعقدہ کانفرنس کی رپورتاژ عادل رشید نے ''خزاں کے پھول'' کے عنوان سے تحریر کیا۔ تقسیم ہند کے حالات کو موضوع بنا کر فکر تونسوی نے ''چھٹا دریا'' کے عنوان سے رپورتاژ لکھا۔ یوں اردو میں رپورتاژ نگاری کو تقویت حاصل ہوئی اور بہت سے رپورتاژ نگار اور ان کی تحریریں سامنے آئیں جن میں شفیق الرحمٰن کا ''دجلا سے فرات تک'' تاجور سامری کا ''جب بندھن ٹوٹے'' جمنا داس اختر کا ''اور خدا دیکھتا رہا'' ۔ ابراہیم جلیس کا ''دو ملک ایک کہانی'' خدیجہ مستور کا ''پوپھٹے''، عبداللہ ملک کا ''مستقبل ہمارا ہے'' ۔ یہ اردو کے اہم رپورتاژ مانے جاتے ہیں جب کہ دیگر میں ''دل کی بپتا''، ''ماں'' ۔ شاہد احمد دہلوی، ''لندن لیٹر'' ۔ قرۃ العین حیدر، ''کیوں ترا راہ گذر یاد'' آیا، خورشید انور جیلانی، ''اُجالے کی طرف'' ۔ عنایت اللہ، ''سفید اور سرخ ستارے کے درمیان''، ابراہیم جلیس، ''سرخ زمین اور پانچ ستارے'' خواجہ احمد عباس، ''یادوں کے چمن'' کلیم اللہ، ''جہلم کے اُس پار'' ظ انصاری، ''کتابوں کی تلاش'' ڈاکٹر گیان چند، ''پشکن کے دیس میں'' جگن ناتھ آزاد، ''دہلی سمپوزیم'' شارب ردولوی، ''سفر ہے شرط'' قاضی عبدالستار، ''ڈوب ڈوب کے اُبھری ناؤ'' ۔ سلمٰی عنایت اللہ، ''اے بنی اسرائیل'' ۔ قدرت اللہ شہاب، ''عابد روڈ سے کمرشل اسٹریٹ'' ۔ عاتق شاہ، ''بمبئی سے اودے پور تک'' ۔ ندا فاضلی، ''ایک پلیٹ''، تخلص بھوپالی ۔ مجتبیٰ حسین، ''اس کا آشوب'' ۔ الطاف فاطمہ، ''نقاب اور چہرے'' ۔ سلمٰی صدیقی، ''احساس کی یاترا'' ۔ رام لعل، ''چہرے'' ۔ مسعود مفتی، ''وہ شخص کیا ہوا جو تری داستاں کا ہے'' آزر بارہ بنکوی، ''ذکی انور کی زندگی کے آخری پانچ دن'' منظر کاظمی ۔ ڈاکٹر علی احمد فاطمی ''سفر ہے شرط''، ''جڑیں اور کونپلیں'' اور ''یاترا'' وغیرہ شامل ہیں۔

عصرِ حاضر میں جدید ٹیکنالوجی کی بدولت انسان کے روابط میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں کی توجہ بھی رپورتاژ نگاری کی جانب بڑھی ہے اور دنیا کے دور دراز خطوں میں بسنے والے لوگ ٹیکنالوجی کی مدد سے دنیا بھر میں منعقد ہونے والی علمی و ادبی تقریبات کی رُوداد سے متعارف ہو سکتے ہیں۔ مختلف اخبارات اور رسائل میں اردو کی محفلوں، اجلاس، سیمینار و تہذیبی پروگرامز کی رپورتاژ شائع ہوتی رہتی ہیں جس سے تشنگانِ علم و ادب کو سیرابی کا موقع میسر آ جاتا ہے۔ اس حوالے سے شمالی امریکہ میں رپورتاژ نگاری کے پس منظر میں لکھی جانے والی کتاب ''شمالی امریکہ میں اردو رپورتاژ'' بہت اہم ہے جسے انجمن علم و ادب نے شائع کروایا۔ یہ کتاب غوثیہ سلطانہ کی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہے۔ دیارِ غیر میں رہ کر اپنے گرد و نواح کی چیزوں کو بنظرِ غائر دیکھنا اور اسے اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی مادری زبان سے ہم آہنگ کرنا ان کا کمال ہے۔ اس کتاب میں بائیس رپورتاژ شامل ہیں، جن میں اردو کی معروف ناول نگار محترمہ رضیہ فصیح احمد، قدسیہ رحمان، صفیہ احمد، غوثیہ سلطانہ، گوہر تاج، احمد دکنی، ایس زیڈ حسن، نیاز گلبرگوی، واجد ندیم، نصیر الدین، زاہد لودھی اور خالد خواجہ کے رپورتاژ شامل ہیں۔ اس کتاب کا انتساب خود مصنفہ غوثیہ سلطانہ نوری کے ۱۹۷۳ء میں ہندوستان سے امریکہ ہجرت کے سفر کا عکاس ہے۔

اس کتاب کے پیش لفظ میں غوثیہ صاحبہ کی شخصیت میں رچی ہوئی تہذیب، ان کی انکساری اور علم دوستی کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے جو اپنے وطن سے کوسوں دور اردو کی ایک نئی بستی کو پوری آب و تاب سے آباد کرنے میں شب و روز

کوشاں ہیں۔انہوں نے اپنی اس کتاب کے ذریعے شمالی امریکہ میں اردو زبان وادب سے محبت کرنے والے ادیبوں کی کاوشوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔اس کتاب کا فلیپ ڈاکٹر منیر الزماں نے تحریر کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

''غوثیہ نے بڑی محنت اور ریاضت سے اس صنف کو سنوارہ اور اس کی سمت و رفتار کا جائزہ لیا ہے۔''(۵)

پروفیسر میر تراب علی نے بہت تفصیل سے اس صنف کا تجزیہ بھی کیا اور عہد بہ عہد اس کی ترقی کو بھی بیان کیا ہے۔انہوں نے رپورتاژ کی تاریخی اہمیت کو بھی اُجاگر کیا ہے وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''رپورتاژ کسی عہد کی سیاسی ،سماجی ،تہذیبی تاریخ ہوتا ہے،اس کی حیثیت گویا ایک تاریخی ماٰخذ کی ہوتی ہے۔''(٦)

غوثیہ سلطانہ نوری کے رپورتاژ اپنے عہد کی سچی ترجمانی کرتے ہیں انہوں نے اپنی تحریروں میں دیارِ غیر میں مقیم مسلمان گھرانوں کی خواتین کی اسلام سے والہانہ محبت اور اپنی نسل کو اسلام سے جوڑنے کی تمنا بھی نظر آتی ہے جیسا کہ ''لازوال لاریب لافانی'' میں غوثیہ سلطانہ نے حسن بیان سے کام لیتے ہوئے دیارِ غیر میں مسلم خواتین کی اپنی نسل نو کو دینی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی کاوشوں کا اظہار مسرت وعقیدت مندی سے کیا ہے۔اس حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

''آج کی اس پرنور محفل میں نوخیز لڑکیاں ،نئی عمر کی نئی فصل کے ہمراہ خواتین بھی نعت خوانی کی سعادت حاصل کر رہی تھیں۔یہاں ماوں کے جاگے ہوئے شعور کی خوبیوں کا حسین منظر جس میں تجوید کے ساتھ نئی نسل کی نعت خوانی قابل ستائش نظر آرہی تھی۔درود شریف کی آواز بلند ہوئی اور پھر روک دی جاتی تاکہ نعت رسول پڑھی جاسکے۔الحمد للہ نئی نسل کی کی یہ دلچسپی ایک قابل اعتماد امر ہے جس کا کریڈٹ ماں کو جاتا ہے۔وہ خود عربی کلاسس کے لیے خاص طور پر پابندی کے ساتھ اپنے بچوں کو مساجد لے جاتی ہیں۔''(۷)

اس کتاب میں خود غوثیہ سلطانہ کے گیارہ رپورتاژ بعنوان ''لازوال لاریب لافانی''،''ایک جگمگاتی شعری محفل''،شمالی امریکہ میں افسانوی ادب کی رضیہ سلطان،''اورنگ آباد کا ایک رتن''،''کھلی آنکھ کا سپنا''،''گلِ تر''،''روشن دائرے''، ''خوشبوئے گل''،''برف باری کے شب و روز''،''شکاگو کا سرد موسم''اور مشاعرہ ''گزرتے لمحے'' غوثیہ سلطانہ نوری کی تحریریں بے ساختہ پن کے ساتھ ساتھ خوبصورت شعری اسلوب سے کا مجموعہ ہیں۔انہوں نے نکھرے اور سنورے ہوئے انداز میں منظر کشی کی ہے جس کی ایک مثال ان کا رپورتاژ ''ایک جگمگاتی شعری محفل'' میں بھی ہے جس میں منفرد تراکیب کے ساتھ ساتھ بیان کی سادگی بھی ملتی ہے۔مثلاً اپنے شہر شکاگو کی موسم سرما میں خوبصورت مصوری کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''شکاگو شہر ابھی تک جشنِ برفباری کی تشنہ لبی میں خالی جام ہونٹوں سے لگائے رکھا ہوا ہے لیکن اس تشنہ لبی کے سیل تپاں سے زیادہ دیر بچ نہیں سکیں گے۔برف باری سے شہر کے چمپئی و تابناک عارض پر ایک عجیب نور برستا ہے۔موسم کی مہربانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے محبان سخن کی جانب سے ۹ دسمبر دوپہر تا پانچ بجے لائبریری گلینڈیل ہائٹس کے ایک حصے میں بھرپور محفل سخن

سجائی گئی تھی۔''(۸)

انہوں نے شکاگو کی یخ بستگی میں سجنے والی ادبی محفلوں کی گرما گرمی کو تمام رعنائیوں کے ساتھ قاری تک پہنچایا ہے۔ جہاں وہ موسم سرما کی اس چاندی جیسی دمک کو''برف باری کے شب و روز''اور''شکاگو کا سرد موسم اور مشاعرہ''میں بیان کیا ہے۔انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول کا عمیق جائزہ لے کر اُن کی جزئیات کو انگوٹھی میں نگینوں کی مانند جڑ دیا ہے جس سے اُن کے انداز بیان کی رنگینی قاری پر ایک خوشگوار سحر طاری کر دیتا ہے۔گرمی کے موسم کی بارش کے بعد خوشگوار تبدیلی کے احساس اور فروغ اردو کے لیے امریکہ میں منعقد ہونے والی تقریبات کے حسن کو اپنے رپورتاژ''اورنگ آباد کا ایک رتن''میں یوں بیان کرتی ہیں:

> ''اچانک زور ٹوٹا اور بادل چھا گئے۔گھنگھور گھٹائیں اور وحشی ہوا کے جھکڑ چلنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے برسات ہوگئی،ٹہنیاں جھوم جھوم اُٹھیں، پانی کے ننھے قطرے گویا غنچہ نورس کو وضو کرانے لگے اور بادل جیسے کٹے پھٹے آسمان کی رفو گری کرنے لگے، بے تحاشہ گرمی کے بعد بارش نے ماحول کو قدرے پُر کیف وخوشگوار بنا دیا۔اب شام کی دہلیز پر دلکش، دیدہ زیب سماں چھا رہا تھا، دھند لکے بڑھنے سے پیشتر پرندے محو پرواز ہونے لگے۔سہانی شام جیسے ساز دل کے فسانے چھیڑنے کے لیے بے چین ہو۔شعر وسخن کی نشست،اردو کا منظر نامہ،لفظ لفظ مشد داپنی رعنائیوں کو سمیٹے اردو کے شانے پر بکھری ہوئی زلفوں کو سجایا سنوارا جا رہا تھا۔اردو سرکل آف نارتھ امریکہ نے اس کا انتظام کیا تھا۔''(۹)

کسی بھی تخلیق کار کا اسلوب اسے ایک الگ شناخت دیتا ہے۔غوثیہ کے اسلوب کی یہ رنگیں بیانی کسی ایک تحریر تک محدود نہیں۔ وہ اپنے رپورتاژ میں جگہ جگہ آسانی سے کام لے کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔''گلِ تر'' میں وہ ایک شعری محفل کے انعقاد کی رُوداد کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

> ''بتاریخ ۲۱ رمئی ۲۰۱۲ء بمقام گلینڈیل ہائٹس،الی نائے لائبریری دوپہر تا شام ۲ تا ۵ ایوان اُردو ہال کے خاموش نہاں خانے میں تلاطمِ شبِ ہجراں سے بہت دور صبحِ درخشاں تک گویا سرِ کوہسار سیابر برسا ہوا تھا اور فضا میں اٹی ہوئی گردسفر سے بہت دور سال تمام کے عزم سفر استقلال کی یوماً فیوماً گردشِ ایام کی روداد سنائی جا رہی تھی۔شام وسحر کے ساتھ روشنی کے ہنر مند صبح دم خاور کے ماتھے پر شام کی لالی بکھیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔''(۱۰)

اس کتاب میں شمالی امریکہ میں منعقد ہونے والی علمی و دبی کوششوں و بالخصوص شعری محافل کی روداد کو تمام فنی لوازم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، قاری نہ صرف ان تحریروں سے دنیا کے اس خطے میں اردو زبان وادب کی آبیاری کرنے والوں سے آشنا ہوتا ہے بلکہ ان تخلیق کاروں کے شعری ذوق سے بھی حظ اُٹھاتا ہے۔''روشن دائرے''میں واجد ندیم کا ایک شعری حوالہ ہمیں دعوت فکر دیتا ہے:

ماضی کو لگائے ہوئے سینے سے وہ ایک شخص

اسلاف کے مدفن سے کفن نوچ رہا ہے

اردو ادب کا ایک بڑا نام رضیہ فصیح احمد کا ہے،ان کی فنی شخصیت کے تنوع کو غوثیہ سلطانہ نے اپنے رپورتاژ ''شمالی امریکہ میں افسانوی ادب کی رضیہ سلطان'' اس میں نہ صرف اُن کی ذاتی و ادبی زندگی کے مختلف گوشوں کو سامنے لانے کے لیے غوثیہ نے حقیقت نگاری سے کام لیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ ادبی رنگ کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ان کی شاعری میں جدت پسندی، عجز بیانی، بلند خیالی، وسعت نظر نہ پیدا ہو اچھی شاعری ممکن نہیں۔اس حوالے سے وہ رضیہ کی شعری مثال دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

شام در شام جلیں گے ترے کاموں کے چراغ
نسل در نسل ترا درد نمایاں ہوگا

رضیہ فصیح احمد کا اپنا لکھا ہوا رپورتاژ ''غارِ ریگ میں پکنک'' ۱۹۸۵ء میں بہت خوبصورتی سے عظیم ادبی شخصیات کے ساتھ گزرے ہوئے ان پر کیف لمحوں کا بیان ہے جو انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ گزارے تھے۔مشفق خواجہ کی تصویر کشی کی صلاحیتوں کو بے نقاب کرتے ہوئے ،لکھا:

''مشفق خواجہ تصویریں کھینچتے ہیں تو یوں جیسے چاند گاڑی پر چڑھا آٹو میٹک کیمرہ تصویریں لے رہا ہو۔''(۱۱)

اس پکنک میں شامل دیگر احباب میں جمیل الدین عالی ،شان الحق حقی ، ہاجرہ مسرور اور کئی ادبی شخصیات بھی شامل تھیں جن کی زندگی اور شخصی اوصاف کو بہت مہارت سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ رضیہ فصیح احمد نے مختلف مقامات کی جزئیات کو بہت عمدگی سے پیش کیا ایک جگہ پر لکھتی ہیں:

''چاند ابھی نہیں نکلا تھا،سمندر کافی کے رنگ کا تھا اور جھاگ کریم کی طرح سطح پر تیر رہے تھے۔''(۱۲)

صفیہ احمد کا رپورتاژ ''فوئز لیک'' بھی رضیہ فصیح احمد کے رپورتاژ کی مانند بنگلہ دیش کے ایک یک تفریحی سفر سے متعلق ہے۔ گوہر تاج کا رپورتاژ ''ڈیٹرائیٹ کی ایک شام عالمگیر کے نام'' ہے جس میں اہل شکاگو کی فن موسیقی محبت اور پاکستان کے ایک مشہور گلوکار عالمگیر کی بیماری کے علاج کی خاطر منعقدہ چیرٹی شو میں فنڈ ریزنگ کے لیے منعقدہ پروگرام کو موضوع بنایا گیا۔ اس پروگرام میں مشہور فنکاروں بشریٰ انصاری بہروز سبزواری ، طاہرہ سید،اور علی حیدر نے شرکت کی۔''انجمن علم و ادب کا ادبی اجلاس'' ایس زیڈ حسن کے زورِ قلم کی عمدہ مثال ہے جب کہ ''غوثیہ سلطانہ-اردو کی ایک بے چین روح'' نیاز گلبر گوی کا خوبصورت رپورتاژ ہے جس میں محترمہ غوثیہ سلطانہ نوری کی ادبی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔''شمشاد دکن'' میں مہاراشٹرا میں علمی ادبی سرگرمیوں میں شریک شمشاد جلیل شاہ صاحبہ کی افسانہ نگاری اور شاعری کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔اس میں مصنفہ نے اُن کی شکاگو آمد اور ان کی کتاب ''امریکہ میں اردو شکاگو کے حوالے سے'' کی جناب مسرور قریشی کے ہاتھوں رونمائی و پذیرائی کی تقریب کا مفصل حال قلمبند کیا ہے۔محترمہ شمشاد جلیل نے اپنی

اس کتاب میں شکاگو سے تعلق رکھنے والی ۴۲ شخصیات کی ادبی خدمات کو بیان کیا ہے۔اس کتاب میں شامل دیگر رپورتاژ بھی شمالی امریکہ میں اس صنف کے حوالے سے کی جانے والی کاوشوں کا بھرپور اظہار ہیں۔ نیاز گلبرگوی نے اپنے رپورتاژ ''غوثیہ سلطانہ اردو ادب کی اک بے چین روح''میں غوثیہ کی علمی و ادبی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔کوچہ عشق میں کے عنوان سے ڈاکٹر جمال قادری کے مجموعہ کلام کی تقریب رونمائی کا اہتمام کیا گیا:

سینچا ہے وطن کو مرے آبا نے لہو سے
مٹی سے محبت مجھے ورثے میں ملی ہے
گو خاک مدینہ ہے مری آنکھوں کا سُرما
پر خاک وطن تو مری گھٹی میں پڑی ہے(۱۳)

گیا اوران کی انجمن علم و ادب کے تحت ۲۰۱۳ء میں رضیہ فصیح احمد کی کتاب ''گلدستے اور گل دائرے'' کی تقریب رونمائی جناب نیاز گلبرگوی نے کی،اس پروگرام کی روداد کو بہت جامعیت سے بیان کیا گیا ہے۔ان کی ادبی خدمات کو غوثیہ سلطانہ نے بے حد سراہا ہے۔اس رپورتاژ میں وہ اُن کو غوثیہ سلطانہ نوری کی کتاب ''شمالی امریکہ میں اُردو رپورتاژ'' کی اہمیت میں گزرتے وقت کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔اس میں موجود مشاہیر اردو ادب کی زندگی کے اپنے دوستوں کے ساتھ تکلفانہ لمحات کو مصنفین نے بہت عمدگی سے بیان کیا ہے۔عصر حاضر میں بھی اس صنف کا جائزہ لیا جائے تو جدید ٹیکنالوجی کے اس دور میں جہاں دنیا گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے۔اس نے ادب میں رپورتاژ نگاری کی اہمیت کو مزید مستحکم کیا ہے۔اس سے رپورتاژ نگاروں کے لیے نہ صرف موضوعاتی تنوع پیدا ہوا اور دنیا بھر میں اردو دب کی ترویج و اشاعت کے لیے منعقد ہونے والی کانفرنسوں،مشاعروں،کتب کی تقریب رونمائی اور سیمیناز پر رپورتاژ لکھنے کی روایت مستحکم ہوئی بلکہ علمی و ادبی محافل اور ان کی کاروائیاں ادبی چاشنی کی مدد سے ضبط تحریر میں آئیں جو آنے والے دنوں میں محققین کے لیے بہترین مآخذ ثابت ہوں گی۔

# حوالہ جات


۱۔ قمر رئیس، پیش لفظ، مشمولہ: اردو میں رپور تاژ نگاری، از: عبدالعزیز، (دہلی: ساقی بک ڈپو، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۱

۲۔ گیان چند جین، ادبی اصناف، (گجرات: گجرات اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۴۰

۳۔ اردو میں رپورتاژ نگاری کا فنی جائزہ، مشمولہ: ماہنامہ فکر و تحقیق، (دہلی: جولائی ۲۰۱۵ء)، ص ۳۲

۴۔ قمر رئیس، پیش لفظ، مشمولہ: اردو میں رپور تاژ نگاری، ص ۱۱

۵۔ منیر الزماں، فلیپ: شمالی امریکہ میں اردو رپورتاژ، از: غوثیہ سلطانہ، (شکاگو: میموریل پبلی کیشنز، انجمن علم وادب، ۲۰۱۴ء)

۶۔ میر تراب علی یداللہی، پیش لفظ، مشمولہ: شمالی امریکہ میں اردو رپورتاژ، از: غوثیہ سلطانہ، ص ۴۱

۷ غوثیہ سلطانہ، شمالی امریکہ میں اردو رپورتاژ، ص ۲۱-۲۲

۸۔ ایضاً، ص ۲۶-۲۷

۹۔ ایضاً، ص ۸۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۲